بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۴)

انتخابات کی ڈکشنری میں کامیابی کا لفظ عام طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ کسی جماعت کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے والے امیدوار کتنی تعداد میں انتخاب کی بازی جیت گئے۔ لیکن جماعت اسلامی کی ڈکشنری میں لفظِ کامیابی کا مفہوم دوسرا ہے۔ جو جماعت اقامتِ دین کا کام کرنے اٹھی ہو، اس کی مساعی کا اس حد تک نتیجہ خیز ہونا کہ عملاً مطلوبہ تبدیلیاں واقع ہو جائیں اور دینِ حق کو پورا پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ لیکن جماعت کی اصل ذمہ داری دعوت کو بندگانِ خدا تک پہنچا دینے اور اصولِ اسلام کے برحق اور مفید ترین ہونے کی قولی و عملی شہادت دینے پر ختم ہو جاتی ہے۔ شہادتِ حق کے اس فرض کو صحیح معنوں میں ادا کرنے کے تقاضے اگر کسی جماعت نے پورے کر دیئے ہوں تو اس نے بازی مار لی اور جس نے اس میں کوئی کوتاہی دکھائی اس نے کھیل ہر دیا۔ اسلام کی علمبرداری کی سعادت دنیا میں جس فرد اور جس جماعت کو بھی حاصل ہوئی ہے اس کے سامنے کامیابی و ناکامی کا یہی نقطۂ نظر رہا ہے اور اسی نقطۂ نظر کو لے کر ہم لوگ جدوجہد کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری پوری کوشش آئندہ انتخابات میں یقیناً یہی ہوگی کہ ہم ملک و ملت کو غیر صالح قیادت سے نجات دلا کر ایک نئی صالح قیادت کو بروئے کار لائیں، لیکن اس کوشش میں ہمارے نزدیک اصل کامیابی یہ ہے کہ ہم اسلام کے انتخابات کے اصولوں کا عملی مظاہرہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہ دکھائیں۔ اللہ نے اگر شہادت حق کے فرض کو ادا کرنے کی توفیق ہمیں دی تو پھر ہمارے لئے ناکامی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا — چاہے جماعتِ اسلامی کا ایک فرد بھی اسمبلی کی نشست حاصل نہ کر سکے۔

جماعت اسلامی کے سامنے سوال عہدوں کی کرسیوں کا نہیں، چند شخصیتوں کو ابھارنے اور چند دوسری شخصیتوں کو شکست دینے کا نہیں، کسی گروہ کو کسی گروہ سے ٹکرانے کا نہیں، بلکہ اس کا منتہا صرف اسلام کے اصولوں کی حقانیت و صداقت اور ان کی افادیت کا پورا پورا ثبوت قوم اور دنیا کے سامنے فراہم کر دینا ہے — یہاں تک کہ خدا کے بندوں پر اس دینِ حق کی حجت پوری ہو جائے۔

اس سے پہلے جب کوئی اہم مرحلہ ملک وملت کو پیش آیا ہے تو اس میں جماعتِ اسلامی نے شہادتِ حق کا یہی فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جماعت کے ابتدائی دور میں جب وطنی قومیت کی تحریک مسلمانوں کو نگل لینے کے لئے سرگرمِ عمل تھی اور خود مسلمانوں کے بہت سے لیڈر اور کارکن اپنی خدمات اس تحریک کے لئے وقف کئے ہوئے تھے تو اس نازک لمحے میں جماعتِ اسلامی نے ملت کے سینے میں اس فریضۂ اقامتِ دین کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جو طبعی طور پر ملت سے اپنے جداگانہ وجود کو برقرار رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر جب وطنی تحریک کے گرداب سے ملت کا سفینہ نکل آیا اور مسلمان جداگانہ طور پر تحریکِ پاکستان کے لئے منظم ہو کر سرگرمِ عمل ہونے لگے تو جماعت اسلامی نے ان کو مسلسل یہ دعوت دی کہ وہ اپنی تحریک کو خالص اسلامی طرز پر نشوونما دیں۔ اور صرف دعوت ہی نہ دی بلکہ اسلامی نظمِ جماعت، اسلامی طریقِ کار، اسلامی شورائیت اور اسلامی معیارِ قیادت کا عملی مظاہرہ بھی کیا۔ اس کوشش کے نتیجے میں اگرچہ تحریکِ پاکستان کا رُخ نہ بدل سکا اور اس کا اثر صرف بعض مخلص اور اسلام پسند افراد ہی تک محدود رہا، لیکن جماعت کی دعوت اور اس کا مظاہرہ اس لحاظ سے پوری طرح کامیاب رہا کہ اس کے حق ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے لوگوں نے "اگر مگر" کے دروازوں سے فرار کرنے کی کوشش کی۔ کہنے والوں نے صرف یہ کہا کہ جماعت اسلامی بات تو ٹھیک کہتی ہے لیکن اس طریقِ کار میں دیر لگے گی، لہٰذا پہلے پاکستان بن جائے، پھر اسلام کے تقاضے پورے ہوتے رہیں گے۔

پھر جب نواکھالی، شمالی پنجاب اور صوبہ بہار میں فسادات کا طوفان اٹھا تو جماعت اسلامی اسلام کی طرف سے احترامِ انسانیت، قیامِ امن، اعانتِ مظلوم، مدافعتِ ظلم اور بحالیٔ اخلاق کے پیغام لے کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے کارکنوں نے جہاں ایک طرف بساط بھر مسلمانوں کو منظم کرنے، ان کے حوصلے (MORALE) کو بحال کرنے اور ان کو مختلف طریقوں سے امداد بہم پہنچانے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اور غیر مسلموں کو بھی باہمی قتل و مقاتلہ، بچوں اور بوڑھوں پر دراز دستی اور عورتوں پر زیادتی کرنے سے باز رکھنے کے لئے ان کے شریفانہ جذبات سے اپیل بھی کی۔

پھر اسی طرح جب صوبۂ سرحد کے باشندوں سے پاکستان اور انڈین یونین میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستہ ہونے کے بارے میں استصواب کیا گیا تو جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اپنی آرا پاکستان کے حق میں دیں اور دوسروں کو بھی یہی رہنمائی دی۔

پھر جب تقسیم ملک واقع ہوگئی اور خستہ حال مہاجرین پاکستان آنا شروع ہوئے تو جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اپنے لئے سہولتیں حاصل کرنے کی جدوجہد میں محو ہو جانے کے بجائے لاہور کے مضافات میں باؤلی کیمپ، والٹن کیمپ اور شاہدرہ کیمپ میں، اور اس کے علاوہ سندھ اور پنجاب کے بعض دوسرے کیمپوں میں مہاجرین کی مختلف خدمات انجام دے کر اس امر کا مظاہرہ کیا کہ اسلام مسلمانوں سے مہاجر مسلمانوں کے لئے کس قسم کی انصاریت کا مطالبہ کرتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جب پاکستان بننے کے بعد یہاں ایک دستور کی تدوین کے لئے مجلسِ دستور ساز قائم ہوئی اور قوم کے سامنے یہ سوال آگیا کہ وہ اپنی آزاد زندگی کی تعمیر مغربی جمہوریت یا اشتراکیت کے اصولوں پر کرے یا اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر، تو اس مرحلے پر جماعت اسلامی اس سوال کا صحیح جواب لے کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے شہر شہر، قریہ قریہ ایک ایک مسلمان تک پہنچایا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں "مطالبۂ نظامِ اسلامی" نمودار ہوا جس کے لئے جماعت اسلامی نے اتنی منظم تحریک برپا کی کہ دستور ساز اسمبلی نے ۱۲ مارچ ۴۹ء کو اس مطالبہ کو دستوری حیثیت سے تسلیم کرکے وہ "قراردادِ مقاصد" پاس کر دی کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی غیر اسلامی دستور و نظام کو جاری کرنے کے دستوری راستے بہر حال بند ہیں۔

پھر اس قراردادِ مقاصد کے پاس ہونے کے بعد جب جماعت اسلامی نے یہ محسوس کیا کہ اس قراردادِ کے تقاضوں کے مطابق ملت جن تبدیلیوں کے ظہور کی آرزومند ہے ان کے واقع ہونے میں بدقسمتی سے اربابِ اقتدار کا وہ گروہ حائل ہے جو اپنے ذہن و سیرت کی مخصوص ساخت کی وجہ سے یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ اسلامی نظام کی امامت کا فرض ادا کر سکے تو جماعت نے پورے دلائل کے ساتھ انقلابِ قیادت کی دعوت کو اپنے عوام تک پہنچانے کا آغاز کر دیا۔ اب اس انقلابِ قیادت کو اسلام کے منشا کے مطابق برپا کرنے کے لئے رائے عام کو اسلامی ہونے کی تربیت دینے کا جو مرحلہ سامنے آگیا ہے، اس میں جماعت اسلامی قول و عمل سے شہادتِ حق کا فریضہ انجام دینے اٹھی ہے۔ پس اس کام میں کامیابی کے اصل معنی صرف یہ ہیں کہ جماعت اسلامی نے شہادتِ حق کا حق ادا کر دیا۔ رہا یہ سوال کہ حالات کے دھارے کا رُخ عملاً کس حد تک مڑ سکیگا، یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے۔

کامیابی کا یہ تصور پیشِ نظر رکھنے کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ ہم لوگ ذرائع و وسائل، احوال و ظروف اور تاریخی عوامل کو ناپ تول کر کام کی اسکیم مرتب کئے بغیر آنکھیں بند کرکے آگے بڑھ رہے ہیں۔ احوال کی سازگاری و ناسازگاری کے جملہ پہلو ہمارے سامنے ہیں اور ان کا پورا پورا اندازہ کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے اور اس کے بعد ہی انتخابات میں حصّہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جہاں تک مشکلات کا تعلق ہے تلخ حقائق کے یہ پہلو ہمارے سامنے ہیں:۔

۱۔ ہمارے سروں پر ایک پارٹی کی اجارہ دارانہ حکومت قائم ہے جس کا بس چلے تو وہ کسی دوسری پارٹی کے وجود ہی کو گوارا کرنے پر تیار نہیں ہے۔

۲۔ ہمارے ملک کے اکابر اور بعض غیر ذمہ دار عہدے دار اور بیشمار ماتحت ملازمین بر سرِ عام بھی اور پرائیویٹ صحبتوں میں بھی کبھی کھلے کھلے اشارات کرکے اور کبھی نام لے لے کر ایک پارٹی کی حمایت اور دوسری پارٹیوں کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنے والے انتخابات پر ان طریقوں سے بہت اثر ڈالا جا سکتا ہے۔

۳۔ انتخابات کیلئے جس آزادانہ فضا کی ضرورت ہوتی ہے، اسکو مکدر کرنے کے لئے اکابر نے پبلک سیفٹی ایکٹ اور پاکستان سیفٹی آرڈی ننس جیسے تسلطائی قوانین نافذ کر رکھے ہیں۔

۴۔ بعض دوسری سیاسی جماعتوں کے چند کارکنوں کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کے امیر، نائب امیر اور قیّم آج حکومت کی نظر بندی میں ہیں اور ان کو نظر بند رکھنے کی وجہِ جواز مہیا کرنے کیلئے آئے دن پروپگنڈے کے جو ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے عوام غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور ایک جماعت کو معتوب سمجھکر اس سے تعاون کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

۵۔ ہمارے عوام میں سیاسی شعور کی کمی ہے اور اس کمزوری سے مفاد پرست لوگ ناجائز فائدہ اٹھانے پر ابھی تک قادر ہیں۔ علاوہ بریں کسی حد تک جمود اور پست ہمتی بھی موجود ہے۔

۶۔ مفاد پرستوں کے جال ابھی تک ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے حلقوں کو کاٹنا کوئی ایسا آسان کام نہیں جو دنوں میں ہو جائے۔

ان مشکلات کے بالمقابل حالات کے دوسرے پلڑے میں جن روشن پہلوؤں کو رکھ کے وزن کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ہمارے موجودہ لیڈروں نے گذشتہ دو سال کے کارناموں سے رائے عام کو انقلابِ قیادت کی ضرورت کا احساس

خود دلایا ہے اور ہر طرف نئی صالح قیادت کی پیاس پیدا ہو چکی ہے۔

۲۔ یہ بات بھی شہری اور دیہاتی ہر حلقے میں محسوس کی جا رہی ہے کہ موجودہ کارفرما طاقتوں کے ہاتھوں اسلامی نظام کبھی بھی برسرِ عمل نہیں آسکتا۔

۳۔ عوام کو اگرچہ اسلام کا واضح شعور نہیں ہے اور انکی دلچسپیاں بیشتر جذباتی ہیں، لیکن وہ بہرحال انتخابات کے متعلق اسلام کی رہنمائی کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور ان میں سیاسی شعور دین ہی کے ذریعے جلد رونما ہو سکتا ہے۔

۴۔ جماعت اسلامی کے متعلق بار بار غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ملّتِ پاکستان کو اس بات کا شعور بہرحال ہو چکا ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کی منظم جدوجہد کرنے والی واحد جماعت یہی ہے اور اسمیں یہ بل بوتا ہے کہ پاکستان کو مغربی جمہوریت اور کمیونزم کے تسلط سے بچالے۔

۵۔ جماعت کے جلسوں میں شرکت، اس کے پیغام پر توجہ اور انتخابات کے متعلق اسلامی اصولوں کی دعوت سے تاثر کا جو ثبوت گذشتہ دو ماہ سے عوام ملک نے دیاہے، وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔

۶۔ جماعت اسلامی کے علاوہ بہت سی دوسری دینی جماعتیں بھی صالح قیادت کو بر روئے کار لانے کا عزم رکھتی ہیں۔

یہ ہیں حالات کے روشن اور تاریک پہلو جنکا میزانیہ سامنے رکھکر ہی جماعت نے انتخابات میں شرکت کا فیصلہ کیا ہے۔ اب آگے مسئلہ جدوجہد کا ہے اور جتنی جدوجہد ہو گی، اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بھی اتنے ہی نتائج دکھلائے گا۔

نتائج کے لحاظ سے تین صورتیں پیش آسکتی ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی ناکامی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہم اسکی توقع کرتے ہیں کہ قیادت میں ایک موثر تبدیلی رونما ہو جائے اور اسمبلیوں میں کسی طرح اسلام سے گہری وابستگی رکھنے والے صالحین کی ایک بڑی تعداد جمع ہو جائے۔ یہ صورت اگر پیدا ہو گئی تو اسلامی دستور بنانے اور جماعت کے زیرِ ترتیب منشور کی خاص اسکیم کے مطابق حکومت کے نظم ونسق اور معاشرتی حتیٰ کہ مالی اور معاشی نظام میں فوری اور تدریجی تبدیلیاں عملاً رونما کرنے کا کام جلد از جلد آغاز پذیر ہو سکے گا۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ صالحین کی ایک قلیل تعداد ہی کو آگے لایا جا سکے۔ اس صورت میں یہ قلیل تعداد بھی جب ایک اصولی مقصد کیلئے کام کرنا چاہیگی تو یہ بعض ایسے لوگوں کو بھی ساتھ دے سکیگی جو پہلے اسلام کی حمایت میں سرگرمی سے

م کرنے کی جرأت نہیں دکھارہے تھے، لیکن اب ایک طاقت کو کام کرتے دیکھ کر انکی ہمت بندھ جائیگی۔ علاوہ بریں مختلف مسائل میں قدم قدم پر جب اسلام پسند عنصر اور مغربیت مآب عنصر میں کشمکش ہوگی تو مختلف لوگ مختلف مسائل میں اسلام پسند عنصر سے تعاون کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔

لیکن ہم اس سے بھی گر کر تھوڑی دیر کیلئے یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ صالحین کی اتنی تعداد بھی آگے نہ آسکے گی کہ وہ کوئی حزبِ اختلاف (APPOSITION PARTY) مرتب کرسکے، بلکہ یوں سمجھئے کہ اس معیار کا صرف ایک ہی فرد سامنے آتا ہے جسے جماعت اسلامی لے کے اٹھی ہے۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ ایسا ایک فردِ تن تنہا بھی بہت کچھ کرسکتا ہے۔ ایسا ایک شخص بھی اگر دین کے شعور اور نظامِ اسلامی کے قیام کے جذبے کے ساتھ اسمبلی کی کارروائیوں میں حصہ لے تو قدم قدم پر وہ پوری اسمبلی کے سامنے خدا و رسول کے صریح احکام کو سامنے رکھ کر یہ سوال پیدا کرسکتا ہے کہ کتابِ اللہ اور سنتِ نبوی کو مانتے ہو یا پامال کرکے آگے بڑھنا چاہتے ہو؟ اسمبلی ہال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اگر کوئی ایک شخص بھی پوری جسارت سے انجام دینے پر کمربستہ ہو تو اسکا یہ فائدہ بھی ہوسکتا ہے کہ نمائندگانِ ملت کیلئے قانونِ الٰہی سے صریح انحراف کرنا ممکن نہ رہے، لیکن اگر یہ فائدہ نہ بھی ہو تو کم سے کم رائے عام کی تربیت کرنے میں بہت بڑی مدد اس طریق سے بہم پہنچ سکتی ہے۔

تیسری صورت جو محض بطور ایک مفروضے کے ہم سامنے رکھنا چاہتے ہیں، یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی ایک صالح آدمی بھی ادھر نہ جاسکے۔ شاید دنیوی سیاست کی نگاہ میں یہ ایک کھلی کھلی ناکامی ہو گی لیکن جماعت اسلامی جس دینی سیاست پر کاربند ہے اس کے لحاظ سے اس صورت میں بھی کامیابی کے نمایاں پہلو موجود ہیں۔ جہاں تک اخروی کامیابی کا تعلق ہے ——— اور جو ہمارے نزدیک اصل مطلوب و مقصود ہے ——— وہ صحیح طور پر کام کرنے کے بعد ہر حال میں محفوظ ہے۔ لیکن سوال صرف اخروی کامیابی ہی کا نہیں۔ دنیوی طور پر بھی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابلِ لحاظ ہیں:-

(۱) اس وقت تاریخ کا وہ لمحہ ہمیں درپیش ہے، جسے تبدیلی کا لمحہ کہتے ہیں۔ لوگ جس سیاسی نظم میں منسلک تھے وہ اپنا منصب العین پورا کر چکنے کے بعد طبعی طور پر انحطاط سے دوچار ہے اور تاریخ کے قوانین کے تحت خود اس کے اندر سے شکست و ریخت کے وجوہ و اسباب ابھر آئے ہیں۔ ایسے لمحے میں ملک کو ایک نئے مرکزِ تنظیم کی ضرورت ہے۔ پس اس وقت جماعت کے میدان میں آجانے سے یہ فائدہ بہرحال حاصل ہوگا کہ عوام کو انتشار سے بچکر ایک جگہ سمٹنے کیلئے نئے مرکز سے تعارف ہو جائے گا۔

(۲) کارکنانِ جماعت کو رابطہ عوام کا جو موقعہ ملیگا، اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے نتائج کبھی ضائع نہیں ہو سکتے، بلکہ لازماً جماعت کی دعوت گاؤں گاؤں پھیل کے رہیگی اور کئی کروڑ باشندوں کو براہ راست جماعت کے کارکنوں کو دیکھنے اور ان کے مسلک کو سمجھنے کا موقعہ ملیگا اور انکی بیشمار غلط فہمیاں اس رابطہ کی وجہ سے صاف ہو جائینگی۔ (۳) کارکنانِ جماعت کو آئندہ مراحل میں کام کرنے کیلئے اپنے آپ کو تربیت دینے کے بہترین مواقع حاصل ہونگے۔ (۴) ملک کے اصل صالح عناصر کے متعلق جماعت اسلامی کے کارکنوں کو تفصیلی طور پر یہ اندازہ ہو سکیگا کہ یہ کہاں کہاں پائے جاتے ہیں اور انکے ذریعے کتنا کام کسطرح کیا جا سکتا ہے (۵) دوسری طرف ملک کے مفسد عناصر سے بھی براہ راست واسطہ پڑیگا اور پورے ملک میں ایسے لوگوں کو پہچانا جا سکیگا جو قرار دادِ مقاصد کے تقاضوں کے پورا ہونے میں اپنی دولت، اپنے اثر و رسوخ اور اپنی دماغی قابلیتوں کے ذریعے مزاحم ہونیوالے ہیں۔

چاہے ہمارے معیار کا ایک صالح فرد بھی منتخب نہ ہو سکے — تو بھی ہم اس صورت میں سو فیصدی کامیاب ہونگے جبکہ ہم اسلام کے اصول انتخاب اور اسکے سیاسی اخلاق کا ایک صحیح نمونہ ملک کے سامنے رکھدیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر لوگ حسب سابق اسلامی معیار سے گرے ہوئے لوگوں کو منتخب کر لیں اور پھر انکے ہاتھوں دوبارہ تلخ تجربات کا سامنا کریں تو انکو زمانہ انتخاب کے یہ واقعات یاد آ کے پشیمان کر سکیں کہ ہمیں ان غلط کار نمائندوں کے تسلط سے بچانے اور صالح قیادت کو رونما کرنے کیلئے کچھ ایسے لوگ ہمارے سامنے آئے تھے جنہوں نے گالیاں سنیں لیکن گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں دیا تھا، جن پر بہتان لگائے گئے لیکن انہوں نے جواب میں بہتان تراشیاں نہیں کی تھیں، جنکے خلاف جوڑ توڑ کیے گئے لیکن انہوں نے کوئی سازشی کاروائی کرنے سے اپنا دامن پاک رکھا، جنکی جدوجہد ناکام کرنے کیلئے روپیہ استعمال کیا گیا لیکن جواب میں انہوں نے روپے کے ذریعہ حمایت خریدنے کی کوشش نہ کی، دوسروں نے برادریوں کی عصبیتوں کو بھڑکایا لیکن انہوں نے اخوتِ اسلامی کو چرکے لگانیکی زیادتی کبھی نہ کی۔ دوسروں نے غنڈہ ازم سے مدد لی لیکن انہوں نے اسلام کے معیارِ اخلاق سے گرنیکی ذلت گوارا نہ کی۔

اسطرح کا تقابلی احساس دلانے کیلئے جماعت اسلامی اگر اصحابِ فسق و فجور اور اربابِ صالحیت کی دو صفوں کو آمنے سامنے لانے میں کامیاب ہو گئی تو آنیوالے پانچسال فیصلہ کن نتائج کو بروئے عمل لاکے رہینگے — یہ واقعہ ابھی کل کا ہے کہ آخری انتخابات سے پہلے ہمارے ملک میں جو انتخابات ہوئے تھے انمیں پہلی مرتبہ مسلم لیگ میدان میں آئی تھی اور مغربی پنجاب جیسے متاثر صوبہ میں اسکے صرف دو امیدوار کامیاب ہوئے تھے جنمیں سے ایک مسلم لیگ سے ٹوٹ گیا تھا اور کل ایک نمائندہ مسلم لیگ کیطرف سے اسمبلی میں کام کرنے کیلئے باقی رہ گیا تھا، لیکن دوسرے انتخابات میں یہی مسلم لیگ تھی کہ ہاؤس اسکے تسلط میں تھا۔

پس جماعت اسلامی ناکامی کا شمہ بھر اندیشہ بھی نہیں رکھتی، بلکہ وہ دیکھ رہی ہے کہ اس کے لئے کامیابی کی راہیں پوری طرح کھلی ہیں اور وہ ساری مزاحمتوں کے باوجود اپنے خلوص پر اور ان اصولوں کے خالق پر پورا پورا بھروسہ رکھکر میدانِ عمل میں قدم رکھ رہی ہے۔

لیکن جماعت کے کارکنوں کو اس بات کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ پیشِ نظر کام کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے، بلکہ ایک ایسا معرکہ ہے جس کیلئے ۲

۲ ذہنی اخلاق کی بہت بڑی تیاریوں کی اور بالخصوص تعلق باللہ کی اشد ضرورت ہے! اور ان تیاریوں کا اہتمام کئے بغیر طوفان میں کود پڑنا ایک مذہبی جسارت کے مظاہرے کے سوا حیثیت نہیں رکھتا۔